رموزِ بیخودی میں علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ توحید

ڈاکٹر محمد اقبال ثاقب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ALLAMA IQBAL'S CONCEPT OF TAUHID
IN LIGHT OF HIS RAMOZ E BAIKHUDI

Muhammad Iqbal Saqib, PhD
Assistant Professor of Persian
Department of Persian, GCU, Lahore

Abstract

There is hardly any poet in Islamic literary history who has not penned down on philosophy of Tauhid. This very truth is a testimony to how much this topic is important. The great poet of the East Allama Muhammad Iqbal has also written on this topic in his famous mathnavi namely Ramoz e Baikhudi. Allama has called Tauhid the first pillar of Islam and sheds lights on it from different aspects. This article presents Iqbal's concept of Tauhid in light of his mathnavi Ramoz e Baikhudi.

Keywords:
Islam, Tauhid, Allama Iqbal, Ramoz e Baikhudi, Muslim Ummah, Huminity.

رموزِ بیخودی میں فلسفۂ توحید کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دو نکات پر غور کرلیا جائے کہ اقبال کا تشکیل و تحلیل خودی کا بنیادی ہدف کیا تھا؟ اور اقبال نے تحلیل خودی کے لیے اسلام کے اساسی رکن توحید کا سہارا کیوں لیا؟

تشکیل و تحلیلِ خودی کا بنیادی ہدف

علامہ اقبال کا کسی فردِ واحد میں تشکیلِ خودی کا مقصد، اُس کے اندر کی باطنی قوتوں کو بیدار کر کے اُس کے کردار کو زمانے کے حوادث کا مقابلہ کرنے کے لیے مضبوط و مستحکم بنانا ہے۔ لیکن اقبال جانتے تھے کہ فرداً فرداً خودّار اور صاحبِ کردار افراد کسی عظیم مقصد کے حصول میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک ایسے افراد کے درمیان باہمی ربط اور ہم آہنگی وجود میں نہ آجائے اور وہ افراد ایک ملّت کی صورت اختیار نہ کرلیں۔ ایسی ملّت کی تشکیل کے لیے اقبال خودی کے جوہر سے متصف افراد کو یہ درس دیتے ہیں کہ وہ اپنی خودی کو ملّت کے وجود میں تحلیل کردیں تاکہ زمانے میں خیرالملل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ اقبال کے نزدیک کسی فرد کا ملّت کے وجود میں اپنی خودی کو تحلیل کرنے کا عمل نہ صرف اس کے خودّارانہ کردار کو جمود کا شکار ہونے سے بچاتا ہے بل کہ وہ اُس کی خودی کو جلا بخشتا ہے۔ اقبال ایسی ملّت کے وجود کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت محمدﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، جس میں آپﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان مردود جماعت سے بہت دُور رہتا ہے۔ اقبال حضورﷺ کے اِس فرمان کو تعویذ کی طرح پلّے باندھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

علامہ اقبال فرد کے لیے، ملّت کے وجود کے مزید فوایدگنواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خودّار فرد جب ملّت کے وجود کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ذوقِ نمو جنم لیتا ہے اور وہ اپنے عمل کا احتساب کرکے اپنی خودی کو مزید نکھارنے کی جستجو کرتا ہے۔ تحلیلِ خودی اور تشکیل ملّت کے نکتے کو مزید واضح کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ جب فرد کی خودی ملّت میں تحلیل ہوتی ہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے پھول سے چمن وجود میں آجائے:

فرد را ربطِ جماعت رحمت است	جوہر او را کمال از ملّت است
حرزِ جاں کن گفتۂ خیرالبشر	ھست شیطان از جماعت دُور تر
در دلش ذوقِ نمو از ملّت است	احتسابِ کارِ اُو از ملّت است
در جماعت خود شکن گردد خودی	تا ز گلہرگی چمن گردد خودی(۱)

تحلیل خودی کے لیے توحید کی منطق

بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ علامہ اقبال ہر فرد کو اپنے اندر پہلے خودی کی عمارت تعمیر کرنے کا درس دیتے ہیں اور بعد میں بیخودی کا درس دیتے ہوئے اِس عمارت کو گرانے کا حکم دیتے ہیں۔ ظاہری تضاد کی یہ رمز ایک عام انسان کو سمجھانے کے لیے اقبال کئی مثالیں پیش کرتے ہوئے بالآخر توحید کا سہارا لیتے ہیں۔ ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ فطرتاً فرد یعنی انسان تنہائی پسند ہے مگر تنہائی اُسے عدمِ تحفظ کا شکار کر کے اُس کے وجود کے لیے ایک بڑا خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے اقبال تنہائی پسند فرد کو محفل آرائی کا درس دیتے ہیں۔ گویا وہ ایک چھوٹی وحدت یعنی فرد کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ ایک بڑی وحدت یعنی ملّت سے وابستہ ہو کر اپنے آپ کو محفوظ بنا لے۔ اقبال اسی نکتے کی مزید وضاحت کے لیے ملّتِ اسلامیہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ پراگندہ انسانیت کو اکٹھا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبِ دل یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، جن کا مشن یہی تھا کہ انسان کو اسلامی ضابطوں کا پابند کر کے اُس کو وحدتِ کل یعنی اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر کے اکٹھا کریں تا کہ وہ عدم تحفظ اور تباہی سے محفوظ رہ سکے۔ چوں کہ تحلیلِ خودی کا بنیادی مقصد تشکیلِ ملت، اور انسان کو محفوظ بنانا ہے، لہٰذا اقبال نے رموزِ بیخودی میں فرد کی ملّت سے وابستگی کی رمز کو ایک عام آدمی کو سمجھانے کے لیے توحید کا سہارا لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تشکیلِ اُمت کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ملتِ اسلامیہ کو توحید کا نکتہ سمجھایا اور خُدا کے حضور اپنی گردنِ نیاز جھکانے کا درس دیا:

فطرتش وارفتۂ یکتائی است — حفظِ اُو از انجمن آرائی است
تا خُدا صاحبدلی پیدا کند — کو ز حرفی دفتری املا کند
تا سُوی یک مدعایش می کشد — حلقۂ آئین بپایش می کشد
نکتۂ ی توحید باز آموزدش — رسم و آئینِ نیاز آموزدش(۲)

رموزِ بیخودی میں فلسفۂ توحید کا جائزہ

اقبال نہ صرف توحید کو ملتِ اسلامیہ کے بنیادی ارکان میں سے پہلا رکن قرار دیتے ہیں، بل کہ تخلیقِ اِنسان کے آغاز سے رہتی دُنیا تک اِس کے انسانی زندگی پر اثرات کا وہ نقشہ پیش کرتے ہیں

جس نے انسان کو اندھیروں سے نکال کر ایک ایسی تابندہ دُنیا میں لا کھڑا کیا جہاں پر نہ صرف اُسے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جواب مل گئے وہیں انسان کے شعور کو وہ روشنی بھی ملی جس سے اُس نے اپنی زندگی کے اندھیروں کو روشنی میں بدل دیا اور اپنے اندر پیدا ہونے والی مہلک بیماریوں کو نکال باہر کیا اور اپنے جسم و روح کی سلامتی کو یقینی بنا لیا۔

اقبال کے نزدیک جب خالقِ کائنات نے اپنی اشرف المخلوقات چیز کو حواسِ خمسہ کے ساتھ عقل و شعور دے کر تخلیق کیا تو اُس نے اپنے اردگرد دیکھا تو بے شمار سوالات نے اُس کے ذہن میں جنم لیا۔ انسان کو اِن سوالوں کا جواب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دُنیا اور اس کا نظام کیسے وجود میں آئے؟ یہاں کی ہر چیز تو فانی ہے، وہ ہستی کہاں ہے جو باقی ہے، انسانی عقل اور شعور کو کوئی جواب سُوجھ نہیں رہا تھا۔ سوالات کی حامل دنیا میں عقل سرگرداں رہی لیکن بالآخر عقل نے اپنی منزلِ مراد کا سراغ توحید ہی سے پایا اور اقبال کے مطابق اگر عقل کی یہ کشتی توحید کے نور سے عاری ہوتی تو کبھی ساحلِ مراد تک نہ پہنچ پاتی، آپ فرماتے ہیں:

در جہانِ کیف و کم گردید عقل	پی بہ منزل بُرد از توحید عقل
ورنہ این بیچارہ را منزل کجاست	کشتیِ ادراک را ساحل کجاست (۳)

توحید کا ادراک

جب برس ہا برس انسانی عقل و شعور سرگرداں رہے تو خالقِ کائنات نے اپنے آخری پیامبر حضرت محمد ﷺ پر قرآنِ حکیم نازل فرمایا جس سے اہلِ حق خوب جان گئے کہ توحید کا رازِ خدا کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے:

اِن کُلُّ مَن فِی السَّمٰوٰتِ والاَرضِ اِلاَّ اٰتِی الرَّحمٰنِ عبداً (۴)

یعنی تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب خُدا کے روبرو مطیع ہو کر آئیں گے۔

یہ فرمان اس لیے نازل ہوا تا کہ خدا انسان پر وہ حقیقتیں، جو اُس کے لیے راز ہیں، آشکار کر دے اور اس آگہی کا امتحان انسان کے عمل سے لے کہ وہ اس پر کس حد تک عمل پیرا ہوا۔ مزید براں اقبال کے نزدیک ادراکِ توحید میں دین بھی ہے اور حکمت بھی ہے۔ اس طرح خُدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والوں میں زور و قوت اور رعب و دبدبہ بدرجہ اتم وجود میں آ جاتا ہے:

اہلِ حق را رمز توحید ازبر است | در ''آتی الرحمٰن عبداً'' مضمر است
تا ز اسرار تو بنماید ترا | امتحانش از عمل باید ترا
دین ازو حکمت ازو آئین ازو | زور ازو قوّت ازو تمکین ازو(۵)

توحید کے انفرادی ثمرات

توحید کا علم رکھنے والے اس کے جلووں سے حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور فلسفۂ توحید سے عشق کرنے والوں کی کارکردگی میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ توحید کے زیرِ سایہ پست قامت، بلند قامت ہو جاتے ہیں اور خاک اکسیر ہو کر اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

توحید کا دستِ قدرت جس کے سر پر آجائے اُس برگزیدہ فرد کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اسی طرح توحید پر یقین رکھنے والے مواحد کے قدم راہِ حق میں تیز ہو جاتے ہیں اور اس کی رگوں میں خون برق رفتاری سے دوڑنے لگتا ہے۔ اس مواحد کی زندگی سے خوف اور شک کا شائبہ بھی نہیں رہتا اور اس کی آنکھ کائنات کے اندرونی رازوں کا نظارہ کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جب بارگاہ احدیت میں کسی کا مقام بندگی مستحکم ہو جاتا ہے تو اس کا کشکول گدائی، جام جم بن جاتا ہے:

عالمان را جلوہ اش حیرت دہد | عاشقان را بر عمل قدرت دہد
پست اندر سایہ اش گردد بلند | خاک چون اکسیر گردد ارجمند
قدرت او برگزیند بندہ را | نوع دیگر آفریند بندہ را
در رہ حق تیزتر گردد تگش | گرم تر از برق خون اندر رگش
بیم و شک میرد عمل گیرد حیات | چشم می بیند ضمیر کائنات
چون مقامِ عبدہ محکم شود | کاسہ ی دریوزہ جامِ جم شود(٦)

توحید کے اجتماعی ثمرات

اقبال توحید کے اجتماعی ثمرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ جسم ہے اور اس کی جان ''لا الہ'' ہے اور ہمارے ساز کی سُر اور تان بھی لا الہ ہے۔ اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی اصل حقیقت اقرارِ توحید میں ہے اور اس ہی کی بدولت افرادِ ملت کے افکار میں وحدت و اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جب لا الہ کے الفاظ لبوں سے ادا ہونے کے بعد دل میں اُتر جاتے ہیں تو زندگی میں اِک نیا ولولہ اور

جوش پیدا ہو جاتا ہے۔توحید کے اثر سے پتھر بھی دِل کی طرح دھڑکنے لگتے ہیں اور اگر کسی دِل سے توحید کا سوز نکل جائے تو وہ دِل مٹی کی طرح بے جان ہو جاتا ہے۔اقبال مزید فرماتے ہیں، جب ہمارے دِل توحید کے ایمان سے منوّر ہو گئے تو ہم اِس مادی دُنیا سے بے نیاز ہو گئے۔توحید کے سوز سے سینوں کے درمیان دلوں کے آب خوردہ اور زنگ آلود آئینے چمک اُٹھے اور آلائشیں پگھل گئیں اور توحید کا شعلہ گلِ لالہ کی مانند ہماری رگوں کے خُون میں دوڑنے لگا اور ہمارے دلوں پر ذاتِ حق کی جُدائی کا داغ ہے اور یہی داغ ہماری متاع ہے:

ملتِ بیضا تن و جان لاالہ ساز ما را پردہ گردان لاالہ
لا الہ سرمایہ ی اسرارِ ما رشتہ اش شیرازہ ی افکارِ ما
حرفش از لب چون بہ دل آید ھمی زندگی را قوّت افزاید ھمی
نقشِ او گر سنگ گیرد دل شود دل گر از یادش نسوزد گِل شود
چون دل از سوزِ غمش افروختیم خرمنِ امکان ز آھی سوختیم
آب دلہا درمیانِ سینہ ہا سوز او بگداخت این آئینہ ہا
شعلہ اش چون لالہ در رگہای ما نیست غیر از داغِ او کالای ما(۷)

علاوہ ازیں، اقبال کے نزدیک جب کوئی قوم رشتۂ توحید سے بندھ جاتی ہے تو رنگ و نسل کے تضادات ختم ہو جاتے ہیں اور توحید پر ایمان رکھنے والے سیاہ فام کا مرتبہ سُرخ فام سے کسی طور کم نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر کوئی سُرخ فام توحید پر ایمان کی نعمت سے محروم ہے تو اُس کا مقام و مرتبہ سیاہ فام سے بھی گر جاتا ہے۔توحید پر یقین رکھنے والا حبشی، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوذر غفاری کا قرابت دار بن جاتا ہے۔اقبال فرماتے ہیں: بیگانگی اور اپنائیت کا مقام دِل ہے نہ کہ ظاہری شکل وصورت اور توحید کا نزول دلوں میں ہوتا ہے۔توحید سے سرشار دِل سے جوشوق اور باہمی محبت جنم لیتی ہے اس میں مستی اور سرور افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہونے سے ہے۔ملت کا وجود دلوں میں توحید کے ایک ہی طرح کے جذبات موجزن ہونے سے مشروط ہے اور ملت کا طور سینا توحید کے ایک ہی جلوے سے منوّر ہوتا ہے۔فکر و مدعا کی قومی وحدت بغیر جذبۂ توحید ممکن نہیں۔ملت اور قوم کی سرشت میں جذبہ کی کیفیت اور معیار میں یکسانیت ضروری ہے۔اسی طرح افراد میں نیکی اور

بُرائی کی کسوٹی بھی ایک جیسی ہونی چاہیے۔اور اگر فکر کے ساز میں توحید کا سوز نہ ہوتو اندازِ فکر میں یکسانیت ممکن نہیں:

اسود از توحید احمر می شود — خویشِ فاروق و ابوذر می شود
دل مقامِ خویشی و بیگانگی است — شوق را مستی زہم پیمانگی است
ملت از یک رنگیِ دلہاستی — روشن از یک جلوہ این سیناستی
قوم را اندیشہ ہا باید یکی — در ضمیرش مدعا باید یکی
جذبہ باید در سرشتِ او یکی — ھم عیارِ خوب و زشتِ او یکی
گر نباشد سوزِ حق در سازِ فکر — نیست ممکن این چنین اندازِ فکر(۸)

ملت کے قیام میں توحید کا کردار

مسلمان حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ملت ہیں اور یہی ہماری اصل پہچان ہے۔جیسے کہ ارشادِ ربّانی ہے:"مِلَّةَ اَبِیکُم اِبرٰھِیمَ"(۹)یعنی ہماری اصل محض حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہونا نہیں، بلکہ اُن کا دین ہےاور یہی ہماری ملّت کی بنیادی دلیل ہے۔دوسری قومیں محض نسب اور محض وطن کی اساس پر اپنی تقدیر کو وابستہ کرتی ہیں۔یہ بنیاد مضبوط اور دیرپا نہیں ہوسکتی۔صرف وطن کو اپنی ملّت کی بنیاد قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک ایسا گروہ جو ہوا، پانی اور مٹّی کی پُوجا کررہا ہو۔محض رنگ و نسل پر ناز کرنا اور اس کو اپنی ملّت کی اساس قرار دینا نادانی ہے کیوں کہ حسب و نسب کا تعلّق تو جسم سے ہےاور جسم ایک فانی چیز ہےاور کوئی فانی شے ایک مضبوط اساس کیسے ٹھہر سکتی ہے:

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل — از ابیکم گیرا گر خواہی دلیل
با وطن وابستہ تقدیرِ امم — بر نسب بنیادِ تعمیرِ امم
اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ — باد و آب و گِل پرستیدن کہ چہ
برنسب نازان شدن نادانی است — حکمِ او اندر تن وتن فانی است(۱۰)

ملّتِ اسلامیہ کی اساس رنگ و نسل اور وطن کی جغرافیائی حدود پر نہیں ہے۔ہماری ملّت کی اساس ہمارے دل میں پوشیدہ ہے۔کیوں کہ ہم نے اپنا دِل خدا کی ذات سے وابستہ کیا ہےاور دیگر تمام بندشوں سے آزاد ہوگئے ہیں۔ملّتِ اسلامیہ کی اللہ سبحانہ تعالٰی سے وابستگی ستاروں کی مانند ہے کیوں کہ وہ ہماری نگاہوں میں ہونے کے باوجود نظر کی طرح ہم سے اوجھل ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کے لوگ کسی ترکش میں اچھے انداز سے رکھے ہوئے تیروں کی انی کی مانند ہیں جو ایک جیسے دکھتے ہیں۔جن کے زاویہ نگاہ اور ہدف کی سمت بھی ایک ہے۔ ہماری منزل اور طرزِ فکر ایک ہے۔ہم توحید کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے ہیں اور ہم یک زبان، یک دل اور یک جان ہوگئے ہیں:

ملتِ ما را اساسِ دیگر است   این اساس اندر دلِ ما مضمر است
حاضریم و دل بغایب بستہ ایم   پس ز بندِ این و آن وارستہ ایم
رشتہ ی این قوم مثلِ انجم است   چون نگہ ہم از نگاہ ما گم است
تیر خوش پیکان یک کیشیم ما   یک نما، یک بین، یک اندیشیم ما
مدّعای ما مآلِ ما یکیست   طرز و اندازِ خیال ما یکیست
ما ز نعمہای او اخوان شدیم   یک زبان و یکدل و یکجان شدیم(۱۱)

توحید--نا اُمیدی، غم اور خوف کا تریاق

اقبال کے نزدیک نا اُمیدی موت کی سازو سامانی، جب کہ توحید پر یقین، پختگی زندگانی ہے۔ دلیل کے طور پر اقبال اس آیت قرآنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: ”لاتَقنَطُوا مِن رَحمَۃِ اللّٰہ“(۱۲)

آرزو اور اُمید سے زندگی وابستہ ہے اور نا اُمیدی انسان کو قبر کی طرف دھکیلتی ہے اور اگر کوئی پہاڑ کی مانند مضبوط ہو تو اُس کو بھی گرا دیتی ہے۔ اِسی طرح مایوسی بھی زندگی کو ابدی نیند سُلا دیتی ہے۔ مایوسی کا سُرمہ آنکھوں کے قوا کو شل کر دیتا ہے اور روشن دن کو طویل رات میں بدل دیتا ہے۔مایوسی کے دم قدم سے انسان کی جان بخش قوتوں کی موت واقع ہوجاتی ہے اور زندگی کے چشمے خشک ہوجاتے ہیں۔مایوسی اور غم ایک ہی چادر میں لپٹ کر سوتے ہیں اور غم کی مانند نا اُمیدی بھی زندگی کی شہ رگ پر چھری کا کام کرتی ہے:

مرگ را سامان ز قطع آرزوست   زندگانی محکم از لاتقنطو ست
نا امید از آرزوی پیہم است   نا امیدی زندگانی را سم است
نا امیدی ہمچو گور افشاردت   گرچہ الوندی ز پا می آردت
ناتوانی بندہ ی احسانِ او   نامرادی بستہ ی دامانِ او

زندگی را یاس خواب آور بود این دلیلِ سستی عُنصر بود
چشمِ جانرا سرمہ اش اعمیٰ کند روزِ روشن را شبِ یلدا کند
از دمش میرد قوای زندگی خشک گردد چشمہ ہای زندگی
خفتہ باغم در تہ یک چادر است غم رگِ جان رامثالِ نشتر است(۱۳)

اقبالفرماتے ہیں کہ اے انسان! تو جوغم کے قید خانے میں گرفتار ہے، نبی پاک ﷺ سے قرآن پاک کی وہ تعلیم حاصل کرجس میں فرمایا گیا ہے:''لا تَحزَن اِنَّ اللہَ مَعَنا''۔(۱۴)

اِس سبق نے حضرت ابوبکرؓ کو،صدیقؓ بنادیااورعرفانِ حق کے جام نے خدائے ذوالجلال کا رفیق بنادیا۔غارِثور میں پناہ کے دوران میں مذکورہ بالا الفاظ حضورﷺ نے حضرت ابوبکرصدیقؓ سے فرمائے تھے جواِس وقت آپ کے ہمراہ تھے:

ای کہ در زندانِ غم باشی اسیر ازنبی تعلیمِ لا تَحزَن بگیر
این سبق صدیقؓ را صدیق کرد سر خوش از پیانہ ی تحقیق کرد(۱۵)

زہرِغم کاتریاق، رضائے حق کا الحاق ہے۔اعضائے ملّتِ اسلامیہ، رضائے خدا پہ راضی ہونے کی وجہ سے ستاروں کی مانند نہ صرف درخشاں ہیں، بل کہ دوسروں کے لیے منزل کا نشان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ راہِ زندگی میں غم زدہ ہونے کی بجائے اپنے ہونٹوں پر تبسّم سجائے رکھتے ہیں۔مزید براں اقبال مسلمانوں کودرسِ توحید دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر آپ خدا پرایمان رکھتے ہیں تو ہرقسم کے غم سے آزادہوجاؤاور نفع ونقصان کی سوچ کو اپنے لیے دردِسر نہ بناؤ:

از رضا مسلم مثالِ کوکب است در رہ ہستی تبسم برلب است
گر خدا داری زغم آزاد شو از خیالِ بیش و کم آزاد شو(۱۶)

توحید پر کامل ایمان، ملّتِ اسلامیہ کے لیے توشۂ جان ہے اوراہلِ ایمان کے لبوں پر خدائے لم یزل کا یہ فرمان ہے:''لا خوف علیھم ولا ھم یَحزَنُون''۔(۱۷)

جب کوئی موسیٰؑ کسی فرعون کی طرف بڑھتا ہے تو اُس کا دِل اللہ پاک کے اِس فرمان سے مضبوط ہوتا ہے:''قُلنا لا تَخَفْ اِنَّکَ اَنتَ الاَعلَی''۔(۱۸)

غیراللہ کا خوف جہد وعمل کا دُشمن اور کاروانِ زندگی کا رہزن ہے۔غیراللہ کے خوف سے پختہ

ارادے کی حامل زندگی محض سوچ و بچار اور ہمّتِ عالی تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے اور جب خوف کے بیج کسی جسم کی مٹی میں اُگنے لگتے ہیں تو اُس جسم میں زندگی کے سانس رُکنے لگتے ہیں۔ چوں کہ خوف کی فطرت میں کمزوری ہے اس لیے وہ لرزتے دلوں اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ ہی چمٹتی ہے۔ غیراللہ کا یہ خوف پاؤں سے چلنے کی سکت چُرا لیتا ہے اور ذہن سے سرمایۂ فکر اُڑا لیتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ خوف اگر ہماری گردن دبوچ لے گا تو دشمن ہمیں پھول کی مانند نوچ لے گا۔ اُس دشمن کی نگاہیں ہم پر خنجر کی طرح بھاری اور اُس کی تلوار کی ضرب بڑی کاری ہو گی:

قوّتِ ایمان حیات افزایدت ورد لا خوف علیہم بایدت

چون کلیمی سُوی فرعونی رَوَد قلبِ او از لا تخف محکم شود

بیمِ غیرُ اللہ عمل را دشمن است کاروانِ زندگی را رہزن است

عزمِ محکم ممکنات اندیش ازو ھمّتِ عالی تأمل کیش ازو

تخمِ او چون در گلت خود را نشاند زندگی از خود نمائی باز ماند

فطرتِ او تنگ تاب و سازگار با دلِ لرزان و دستِ رعشہ دار

دُزدد از پا طاقتِ رفتار را می رباید از دماغ افکار را

دشمنت ترسان اگر بیند ترا از خیابانت چُو گُل چیند ترا

ضربِ تیغِ او قوی تر می فتد ھم نگاہش مثلِ خنجر می فتد(۱۹)

خوف ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے اور اگر یہ خوف کی زنجیر نہ ہو تو ہمارے سمندر میں سینکڑوں طوفان پوشیدہ ہیں جو باطل قوّتوں کو بہا کر لے جا سکتے ہیں۔ اگر ہمارے ساز سے آواز پیدا نہیں ہو رہی تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ ہمارے ساز کے تار غیراللہ کے خوف سے ڈھیلے پڑ چکے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اِن ڈھیلے تاروں کو کس لیں تا کہ اِن سے صدا کے نغمات آنے لگیں اور اِن نغمات سے آسمانوں پر حشر برپا ہو جائے۔ خوف، موت کی بستی کا جاسوس ہے اور خوف باہر سے کیسا بھی ہو لیکن اِس کا اندرون سیاہ اور منحوس ہے۔ خوف کی آنکھ پلک جھپکنے میں کاروبارِ زندگی کو تلپٹ کر دیتی ہے اور خوف کے کان زندگی

کے پیغام کو چُرا لیتے ہیں۔یعنی جہاں خوف کا راج ہوگا وہاں زندگی نام کی چیز سننے کو نہیں ملے گی:

بیم چون بنداست اندر پای ما ورنہ صد سیل است در دریای ما
بر نمے آید اگر آہنگ تو نرم از بیم است تارِ چنگِ تو
گوشتابش دہ کہ گردد نغمہ خیز بر فلک از نالہ آرد رستخیز
بیم جاسوی است از اقلیمِ مرگ اندرونش تیرہ مثلِ میمِ مرگ
چشمِ او بر ہمزنِ کارِ حیات گوشِ او بز گیرِ اخبارِ حیات(۴۰)

اقبال مزید فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! ہر بُرائی جو تیرے دل میں پوشیدہ ہے اگر تُو اس پر غور کرے تو اس کی اصل وجہ خوف ہے۔خوشامد، مکروفریب، دشمنی اور جھوٹ جیسی سب بُرائیوں کو خوف سے فروغ ملتا ہے۔فریب اور ریاکاری کا پردہ خوف کا لباس ہے۔فتنہ و فساد کے لیے خوف کا دامن آغوشِ مادر کی طرح ہے۔کیوں کہ خوف اور ہمت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔اس لیے ان کا یکجا ہونا ممکن نہیں۔ڈرپوک اور دلیر کے درمیان موافقت کا رشتہ کبھی قایم نہیں ہوسکتا۔اِسی لیے ڈرپوک شخص اپنے ساتھ ناموافق اور غیر موزوں فرد کے تعلّق کو بخوشی قبول کر لیتا ہے۔نبی پاک ﷺ نے ہمیں توحید کا درس دیا ہے۔جس نے اس رمز کو سمجھا ہے وہ جانتا ہے کہ اُس کو بجز خُدا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جس نے اِس رمز کو نہیں سمجھا وہ باطل سے خوفزدہ ہے اور اُس کے سامنے سر جُھکا کر شرک کا مرتکب ہو رہا ہے:

ہر شرِ پنہان کہ اندر قلبِ تست اصلِ او بیم است اگر بینی درست
لابہ و مکّاری و کین و دروغ این ہمہ از خوف می گیرد فروغ
پردہ ی زور و ریا پیراہنش فتنہ را آغوشِ مادر دامنش
زانکہ از ہمت نباشد استوار می شود خوشنود با نا سازگار
ہر کہ رمزِ مصطفیٰ ﷺ فہمیدہ است شرک را در خوف مضمر دیدہ است(۴۱)

یہ اقبال جیسے بڑے اور عظیم شاعر کا ہی خاصہ ہے جو توحید کے اہم موضوع کو اس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کر سکا۔ فلسفۂ توحید کے ضمن میں اقبال نے انسان کو بتا دیا ہے کہ اُسے توحید کی معرفت ہی اپنے تمام سوالوں کے جواب مل سکتے ہیں، لیکن اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اُسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے ثمرات حاصل رہیں تو ضروری ہے کہ وہ توحید کے ساتھ جُڑا رہے، ورنہ وہ بے شمار جسمانی اور روحانی مہلک بیماریوں کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا!

☆☆☆☆☆
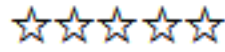
حوالہ جات

(۱) کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۸۵-۰٦، انتشارات سنائی تہران، چاپ ششم ۱۳۷۳ھ۔خ

(۲) ایضاً، ص ۰٦-۱٦

(۳) ایضاً، ص ۲٦

(۴) سورہ مریم: ۹۳

(۵) کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۲٦

(٦) ایضاً، ص ۲٦

(۷) ایضاً، ص ۳٦

(۸) ایضاً، ص ۳٦

(۹) سورہ الحج: ۷۸

(۱۰) ایضاً، ص ۳٦

(۱۱) ایضاً، ص ۴٦-۳٦

(۱۲) سورہ الزمر: ۵۳

(۱۳) کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۴٦

(۱۴) سورہ التوبہ: ۴۰

(۱۵) کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۴٦

(۱٦) ایضاً، ص ۴٦

(۱۷) سورہ البقرۃ: ۲٦۳

(۱۸) سورہ طٰہٰ: ٦۸

(۱۹) کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۵٦

(۲۰) ایضاً، ص ۵٦

(۲۱) ایضاً، ص ٦٦-۵٦

❁❁❁